ہی دینا چاہیے۔ شاگردوں کو درس میں شریک کریں۔ اگر شاگرد موبائل سے کھیلتے ہوئے یا سوتے ہوئے وقت گزاریں تو استاد کا بھی قصور ہے۔ اس کی بات میں کشش نہیں، سبق موئثر نہیں، انداز پھیکا ہے۔ سونے والے سے پوچھ لیجیے میں نے کیا کہا؟ بات دہرا دیجیے۔ ڈانٹنے کے بجائے شاگردوں سے سوال کیجیے۔ اس طرح انہیں بیدار رکھیے۔

۷: علم نفسیات: شاگردوں کی نفسیات اور مزاج کو جاننا چاہیے۔ بعض دفعہ شاگرد اپنے استاد سے خیریت دریافت کرکے بیمار ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نفسیات یہ ہے کہ ان کی پسند ناپسند کا خیال رکھیں۔ اگر تین چار ماہ بعد کبھی کچھ تقسیم کریں تو کوئی حرج نہیں۔ بچوں کی چاہت کا خیال رکھیں، اچھی ہو تو پوری کریں۔

۸: طلباء پر کنٹرول: طلباء پر نگاہ رکھیں۔ انہیں شور مچانے نہ دیں۔ شرارت کرنے نہ دیں۔

۹: تفہیم: پڑھ تو شاگرد بھی سکتے ہیں؛ لیکن سمجھنا ضروری ہے۔ کبھی وہ لفظی ترجمہ کرسکیں گے؛ لیکن انہیں پیراگراف کی سمجھ آنا ضروری ہے۔ سمجھانے کے لیے کبھی مخاطب کی ذاتی مثال دے کر بات کریں یا کسی اور کی مثال دے کر سمجھائیں۔ سیرت نبوی سمجھانا ہو تو اس کے ذریعے تعمیر سیرت مقصود ہونا چاہیے۔ سیرت کا درس تعلیم و تربیت ہے۔

۱۰: صبر: شاگرد کی بعض گستاخیوں پر صبر کرنا چاہیے۔ اس طرح وہ اچھا شاگرد بننے کی کوشش کرے گا۔ اگر اسے فوراً سزا دیں تو اس کی گستاخی بڑھ سکتی ہے۔ وہ آپ کے پاس اصلاح کرانے اور تربیت لینے آیا ہے۔

قاری رحیم بخش مشہور معلم تھے۔ ان کے پاس ایک بچہ حفظ کرنے میں ناکام رہا۔ اس نے والدین کو کہلا بھیجا: یہ کند ذہن ہے۔ وہ اسے لے گئے۔ کچھ عرصہ بعد وہ حافظ بن کر آیا۔ قاری صاحب نے امتحان لیا تو پاس ہوگیا۔ قاری صاحب کو اپنی کمزوری دور کرنے کا احساس ہوا۔ اس حافظ کے استاد کے پاس آ کر اس سے پوچھا تو اس نے جواب دیا: میں دن کو سبق پڑھاتا ہوں اور رات کو تہجد میں اپنے شاگردوں کے لیے دعا کرتا ہوں۔ اس سے ان کی اچھی تربیت ہوتی ہے۔ یہی کامیاب شاگرد آپ کے لیے دنیا و آخرت میں عزت کا باعث بنیں گے۔

۱۱: تربیت: تعلیم کے ساتھ تربیت بہت ضروری ہے۔ سب سے پہلے اپنی، پھر شاگردوں کی تربیت کریں۔ اس سے تعلیم مضبوط ہو جائے گی۔ اپنی تربیت کرتے رہیں، اس سے اپنی اصلاح ہو گی۔ علم پختہ ہو گا۔ شاگردوں کو سوال پوچھنے کی تلقین کریں، ان کی حوصلہ افزائی کریں۔

[O][O][O][O][O][O][O][O][O][O][O][O]

نصاب سازی

معاصر مسائل اور جدید اصطلاحات کا تعارف

ڈاکٹر ابراہیم عبدالرحیم مدینہ منورہ

۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے ہاتھوں ہندوستان پر مسلمانوں کی ساڑھے سو سالہ حکومت زوال پذیر ہوئی۔ غاصب انگریزوں نے سرکاری سکولوں میں دینی تعلیم دینے پر پابندی عائد کر دی۔

علمائے وقت نے اسلامی عقائد اور اقدار وروایات کو بچانے کے لیے اسلامی مدارس کی بنیاد رکھی اور وقت کے تقاضوں کے مطابق نصاب ترتیب دیا۔ تاکہ فرنگی حکمرانوں نے مذہب وملت سے بیزاری کا جو بیج بویا تھا، اس کو ثمر بار ہونے سے روکا جا سکے۔ اور معاشرے کو ایسے جید علماء فراہم کرنا مقصود تھا جو انہیں دینی، سیاسی، معاشی اور سماجی اعتبار سے رہنمائی فراہم کریں۔ جو نت نئے پیش آمدہ مسائل کا شرعی حل کتاب الٰہی اور سنت نبوی کی روشنی میں تلاش کر سکیں۔

دینی مدارس ان اہداف کے حصول میں کامیاب رہے۔ نابغہ روزگار علمائے اسلام نے وقت کے تقاضوں کے مطابق عوام الناس کی رہنمائی کا فرض احسن طریقے سے انجام دیا۔ انہیں اسلامی علوم ومعارف اور تہذیب وتمدن کو فرنگی چیرہ دستیوں سے بچانے میں توقع سے بڑھ کر کامیابی حاصل ہوئی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سائنس اور ٹیکنالوجی نے خوب ترقی کی۔ حتی کہ دنیا کو ایک گاؤں کا روپ دیا۔ معیشت کے خدوخال بدلے۔ کاروبار کے نت نئے طریقے ایجاد ہوئے۔ خرید وفروخت بازاروں سے بڑھ کر برقی آلات میں ہونے لگی۔ لوگوں کے طرزِ زندگی میں نمایاں تبدیلی آئی اور مختلف قسم کے نئے مسائل پیش آنے لگے۔

دیندار طبقہ جو اپنی زندگیاں ہر حال میں شریعت کے مطابق گزارنا چاہتے ہیں، اس معاشی تبدیلی میں شریعت کا نقطہ نظر جاننے کے لیے شرعی علوم سے وابستہ افراد کی طرف دیکھتے ہیں۔ جب انہیں اس جانب سے تسلی بخش رہنمائی حاصل نہیں ہوتی، تو وہ ان افراد سے رجوع کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، جنہیں الیکٹرانک میڈیا نے شرعی علوم کے "سکالر" بنا رکھا ہے۔ اب شرعی اصول وضوابط سے نابلد نام نہاد سکالرز فتوے جاری کرتے ہیں، جن کے ہاں جواز وحرمت کا قاعدہ کلیہ ہوتا ہے: "الحلالُ ما حلَّ بالیدِ، والحرامُ ما لم تصلْ الیهِ الیدُ" (حلال وہی ہے جو ہاتھ لگے، اور حرام وہ ہے جو ہاتھ نہ آئے) پس "فضلوا واضلوا" (خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کر دیا۔)

اس علمی و فقہی بحران میں ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ ہمارے موجودہ نصاب تعلیم میں عصر حاضر کے تقاضوں کو پورا کرنے کی خاطر کس قدر ترمیم واضافہ کی ضرورت ہے؟ رائج الوقت دینی نصاب سے فارغ التحصیل عالم جامعہ کی سند لے کر معاشرے میں براجمان ہوتا ہے، تو اسے سماجی اصطلاحات اور محاورات سمجھنے میں کافی دشواری ہوتی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ موجودہ زمانے کی معاشرتی، معاشی اور دیگر تبدیلیوں سے بے خبری ہے۔ مثلاً فارغ التحصیل بندہ جب عملی زندگی میں قدم رکھتا ہے تو لوگ اس سے پوچھتے ہیں: زندگی یا جائیداد کی بیمہ درست ہے یا نہیں؟ شیر ز مارکیٹ میں سرمایہ کاری جائز ہے یا نہیں؟ بینکوں کے ذریعے رقوم کا ٹرانسفر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ خرید و فروخت کے لیے کریڈٹ کارڈ کے استعمال کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

ان سوالات کے نتیجے میں فاضل شخص محسوس کرتا ہے کہ میرا نصاب تعلیم معاشرے کے مطلوبہ اہداف کو پورا کرنے سے قاصر تھا۔ لہٰذا ہمیں اپنے مدارس کے نصاب تعلیم پر نظر ثانی کرنا پڑے گا، تاکہ معاشرے کی رہنمائی ہو اور طلباء کو احساس کمتری سے نجات ملے۔ اس کی دو صورتیں ہیں:

[۱] تفسیر قرآن مجید، احادیث نبویہ اور فقہ اسلامی کی تدریس کے دوران نصوصِ شریعت اور فقہی مسائل کو موجودہ دور کے مسائل سے مربوط کرنا ضروری ہے۔

مثلاً صحیح مسلم میں حدیث جابر بن عبداللہؓ «لَوْ بِعْتَ مِنْ أَخِيكَ ثَمَرًا، فَأَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ، فَلَا يَحِلُّ لَكَ أَنْ تَأْخُذَ مِنْهُ شَيْئًا، بِمَ تَأْخُذُ مَالَ أَخِيكَ بِغَيْرِ حَقٍّ؟» ؟! (اگر تو نے اپنے بھائی کو (پیشگی) پھل فروخت کر دیا، پھر اس کو آفت لاحق ہو گئی، تو تیرے لیے اس سے کچھ بھی لینا جائز نہیں، تو اپنا بھائی کا مال ناحق کیسے لے سکتا ہے؟!) اس حدیث کی تدریس میں قدیم شارحین کی تشریح پر اکتفا کرنے کے بجائے اس مسئلے کو بیمہ کے ساتھ جوڑ کر سکھایا جائے اور اس کی صحیح و غلط صورتوں پر بھی مختصر روشنی ڈالی جائے۔ اس طرح طالب علم بیمہ کے مسئلے پہ عبور حاصل نہ کر سکے تو کم از کم اس اصطلاح کا مختصر خاکہ ذہن میں بٹھائے گا۔ جس کی روشنی میں اسے ضرورت کے موقع پر تفصیل تلاش کرنے میں سہولت ہو گی۔

یہ طریقہ مختصر اور مفید ہے، اس طرح نصاب میں اضافہ کے بغیر منزل مقصود تک پہنچنے کی راہ ہموار ہو گی۔ البتہ یہ محنت طلب تیاری معلم کو وسعت مطالعہ پر مجبور کرے گا، اس قدر وسعت مطالعہ کی سہولت ہر مدرسے کو حاصل

نہیں۔ نیز اکثر دینی مدارس کے اساتذہ کے قلیل مشاہرے انہیں حسب ضرورت مطالعہ کے لیے فراغت اور سہولیات مہیا کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ برصغیر پاک وہند کے دینی درسگاہوں کا اجتماعی مسئلہ ہے۔

[۲]: آخری دو کلاسوں میں "فقہ النوازل" یا معاصر مسائل کے نام سے ایک مضمون کا اضافہ کیا جائے، جس میں معاشرے کو واسطہ پڑنے والے مسائل پر کتاب وسنت اور اقوال سلف صالحینؒ کی روشنی میں بحث کیا گیا ہو۔ اس کی ترتیب وتدوین کا کام مقامی علماء کی کمیٹی کرلے تو زیادہ مفید ہوگا، کیونکہ وہی اپنے معاشرے کی فکری، معاشی، مادی اور ذہنی ضرورتوں کو بہتر سمجھتے ہیں۔ اگر بوجوہ یہ ممکن نہ ہو تو " فقہ النوازل "پر ایک مختصر وجامع کتاب نصاب میں شامل کرنی چاہیے۔ ان موضوعات پر درج ذیل کتابوں سے استفادہ کیا جاسکتا ہے:

۱: "الجامع فی فقہ النوازل" ڈاکٹر صالح الحمید امام مسجد الحرام: صرف تعریفات اور راجح قول پر مشتمل ہے۔

۲: "فقہ المعاملات المصرفیۃ فی نظر الشریعۃ الاسلامیۃ" ڈاکٹر سعد بن ترکی الخشلان رکن افتاء کمیٹی سعودی عرب: یہ نہایت جامع، مدلل اور حسن ترتیب میں بے مثال ہے۔

۳: "الربا والمعاملات المصرفیۃ فی نظر الشریعۃ الاسلامیۃ": یہ ڈاکٹر عمر بن عبد العزیز المترک کی پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے۔ یہ بھی بہتر معلومات فراہم کرتا ہے۔

۴: "القواعد الفقهیۃ المتعلقۃ بالبیوع"

۵: "ضوابط الربا" ڈاکٹر سلیمان الرحیلی: ان دونوں میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

۶: "احکام الجراحۃ الطبیۃ والآثار المرتبۃ علیها" فقیہ اہل المدینۃ علامہ محمد بن محمد المختار الشنقیطی: اپنے موضوع پر منفرد کتاب ہے۔

عصر حاضر میں مغربی معاشی نظام کے ذریعے اصطلاحات اور محاوروں کا جو ریلا امڈ آیا ہے، ان کا جاننا معاصر عالم کے لیے ضروری ہے۔ کیونکہ "الحکم علی الشیئ فرعٌ عن تصورہ" جب تک آپ کسی چیز کو سمجھ نہیں پاتے اس پر کوئی حکم لگا نہیں سکتے۔ مثلاً کلوننگ، انشورنس، اعضاء کی پیوند کاری، کریڈٹ کارڈ، بینک ڈرافٹ، بانڈز اور شیئرز جیسے اصلاحات سے جو علماء آگاہ نہ ہوں وہ ان کی شرعی حیثیت کا تعین نہیں کرسکتے۔ ان چیزوں کی صورتیں مختلف